ٹیپو سلطانؒ کی وصیت

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز گرمیٔ محفل نہ کر قبول
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول
باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

پیغامِ اقبالؒ

ڈاکٹر شمس الحق حنیف

یہ مضمون پرائم فاؤنڈیشن کی ویب سائٹ prime.edu.pk پر موجود ہے اور ڈاؤن لوڈ/پرنٹ کیا جاسکتا ہے۔

لیکن آپ نے اسے مُردوں کی کتاب بنایا ہوا ہے ایک دوسرے شعر میں کہتے ہیں :

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست   کہ از (یٰسٓ) او آسان بمیری

وہ (قرآن) زندہ کتاب تھی زندوں کے لئے تھی آپ نے اس کو مُردوں کی کتاب بنا دیا اور مُردوں کے لئے صرف ایک سورۃ یٰسین آپ کے ہاتھ آگئی اور وہ بھی ایسے وقت میں جب موت کی کیفیت طاری ہو رہی ہو۔ **کہ از یٰسٓ او آسان بمیری**
کہ مرتے وقت سورۃ یٰسین تمہارے سرہانے کوئی پڑھے تاکہ تمہاری جان کنی کی تکلیف آسان ہو جائے۔

نہیں یہ تو زندوں کی کتاب ہے :

آن کتاب زندہ قرآن حکیم   حکمت او لایزال است و قدیم

جس کے اندر جو حکمتیں ہیں وہ ہمیشہ رہنے والی ہیں وہ قدیم بھی ہیں اور لایزال و ابدی بھی ہیں وہ بنیادی حکمتیں ہیں اور وہ تیری زندگی کا آئین ہے تیری زندگی گزارنے کا طریقہ ہے

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است

میرے دل میں ایک راز ہے ابھی میں کھل کر بات کروں گا۔

این کتابے نیست چیزے دیگر است

قرآن کو آپ نے پڑھا ہے یہ عام کتابوں جیسی کتاب نہیں ہے یہ ایک دوسری قسم کی کتاب ہے

چون بجان در رفت جان دیگر شود

یہ دل کے اندر اتر جائے تو پھر دل کے اندر انقلاب آتا ہے اور جب دل کے اندر انقلاب آجائے

جان چو دیگر شد جہان دیگر شود

تو پھر سارے جہاں میں انقلاب آئے گا، یہ پوری دنیا، پوری انسانیت اور ہر زمانے کی راہنمائی اور ان کے مسائل کے حل کی کتاب ہے، انقلابی کتاب ہے۔

آج ایک عجیب تصور ہے چھا رہا ہے کہ میرے اندر غلطیاں ہیں اور میں اپنے آپ کی اصلاح کرتا ہوں، میں دوسروں کی اصلاح کا کیا کروں گا، میں خود گناہگار ہوں اور جب تک میں خود گناہگار ہوں میں دوسروں کو کیوں گناہگار سمجھوں، سارے لوگ اچھے ہیں میں سب سے زیادہ برا ہوں۔

عجیب عجیب سی باتیں ہوتی ہیں کہتے ہیں سارے لوگ برے نظر آ رہے تھے لیکن جب اپنے آپ پر نظر ڈالی تو اپنا آپ سب سے برا نظر آیا۔ اس کا مطلب یہ سمجھانا ہوتا ہے کہ اگر تو اچھا آدمی ہے تو کسی کونے میں چلے جاؤ باہر کی دنیا کو چھوڑ دو تم ہی سب سے برے ہو باقی سب اچھے ہیں۔

نہیں جی یہ کون سا تصور ہے یہ تو پیغمبروں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دیا ہوا تصور نہیں۔
اقبالؒ نے بھی یہ سمجھا دیا : **"چون بجان در رفت جان دیگر شود"** اگر واقعی تو نے قرآن کو اپنے دل میں جگہ دی ہے تو پھر آپ کے اندر ایسا انقلاب آنا چاہیئے جو پوری دنیا میں ایک صالح انقلاب کی بنیاد بنے ورنہ نہ تو نے قرآن کو سمجھا اور نہ تم سیدھے ہو چکے ہو، اب تمہیں اس دھوکے سے باہر آنا چاہیئے۔ ایک جگہ وہ کہتے ہیں قرآن نے مجھ سے شکوہ کیا۔
"شبے در دست من قرآن بنالید" ایک رات میں نے قرآن کو اپنے ہاتھ میں لیا تو قرآن میرے ہاتھ میں رو پڑا اور مجھے کہنے لگا **"چو من در دل نہ داری نہ زدستے"** دل میں تو تم مجھے جگہ نہیں دیتے تو ہاتھ میں سے بھی مجھے رکھ دو، مجھے تو صرف ہاتھ میں جگہ نہیں چاہیئے مجھے تو مسلمانوں کے دل میں جگہ چاہیئے اور دل میں تو نے کسی اور چیز کو بٹھا دیا ہے۔
لیکن اگر قرآن دل میں بیٹھ جائے تو :

چون بجان در رفت جان دیگر شود   جان چو دیگر شد جہان دیگر شود

اگر تیرے اندر انقلاب آگیا تو پھر دنیا کے اندر انقلاب آئے گا یہ نہیں ہو گا کہ تیرے اندر انقلاب آگیا ہے اور دنیا کے اندر انقلاب نہ آئے۔
پھر وہ جو خودی کی تعلیم دیتے ہیں، خودی کے لئے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ضروری جزء سمجھتے ہیں۔

کی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) سے اجالا کر دے

شکوہ اور جواب شکوہ آپ پڑھیں وہ حقیقت میں اسلام کی تعلیم ہے، وہ حقیقت میں ایک نعت ہے ہم کون سی نعتیں پڑھتے ہیں : میں مدینہ جا رہا ہوں، سامان باندھ رہا ہوں لیکن عمل کچھ نہیں کرتا یہ کیسی نعتیں ہیں؟
نعت یہی ہے کہ : **کی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں**
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا چاہیئے

بایں پیری رہ یثرب گرفتم   نواخواں از سرورِ عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سر شام   کشاید پر بہ فکر آشیانہ

کہتے ہیں کہ آپ دنیا کے راستوں کو ڈھونڈ لیتے ہیں سارے انسانی فلسفوں کو پڑھ لیتے ہیں لیکن تشنگی پھر بھی باقی رہے گی جب تک آپ شاہ مدینہ کا دامن نہ پکڑیں گے اس لئے تو فرمایا:

پڑھ لیے میں نے علومِ شرق و غرب   دل میں باقی ہے اب تک درد و کرب

اور یہ کہ :

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر   شریکِ زمرہ "لا یحزنوں" کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں   مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

جو خودی کی بات وہ کرتے ہیں اسے سمجھنے کی ضرورت ہے،

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں   تو آب جو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں

اور :

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی   کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

اور خاص کر افغانوں کو کہتے ہیں : **اپنی خودی پہچان او غافل افغان !** تجھے پتا ہے کہ تو کون ہے، تمہارا مقام کیا ہے، تمہارا مقصد زندگی کیا ہے ۔ خاص کر اس خطے کے جوانوں کو خطاب کرتے ہیں اور اسی خطے کی اہمیت کی بنیاد پر اقبالؒ کے ذہن میں پاکستان کا تصور ابھر آیا تھا کہ اگر اس علاقے میں ایک اسلامی سٹیٹ قائم ہو جائے تو یہ پوری دنیا میں نیشنلزم اور قوم پرستی کے نظریہ پر ایک کاری وار ہو گا۔

جب مختلف اقوام، مختلف ثقافتیں اور مختلف بولیاں بولنے والے جب اسلام کے جھنڈے تلے ایک ملک بنائیں گے تو یہ اسلام کی طرف سے جدید تہذیب کو ایک عملی جواب اور چیلنج ہو گا

اس لئے فرمایا کہ :

آسیا یک پیکرِ آب و گلِ است   ملّتِ افغاں در آں پیکر دل است

ایشیا خاک و آب کا ایک جسم ہے۔ یہاں کی زمین بڑی زرخیز ہے اور یہاں کی آب و ہوا بہت خوشگوار ہے اور افغان اس پورے ایشیا میں دل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

از فسادِ او، فسادِ آسیا   در کشادِ او، کشادِ آسیا!

اگر یہاں پر بد نظمی ہو گی، یہاں پر فساد ہو گا تو پوری دنیا میں امن نہیں آئے گا۔ یہاں پر خوشحالی ہو گی تو پوری ایشیا میں خوشحالی ہو گی۔
اس لئے تو وہ محراب گل افغان کو خطاب کر کے فرماتے ہیں :

اے مرے فقرِ غیور! فیصلہ تیرا ہے کیا   خِلعتِ انگریز یا پیرہنِ چاک چاک!

میں سمجھتا ہوں کہ کاش ہر شخص اپنے بچوں کو اقبالؒ کی بات سمجھائے، انہیں بتائے کہ اقبالؒ کون تھا، جوانوں کے لئے ان کا پیغام کیا تھا، مسلمانوں کے لئے ان کا پیغام کیا تھا وحدت و اتحاد وہ کس چیز میں دیکھتے تھے اور مسلمانوں کے لئے عروج و ترقی وہ کس چیز میں دیکھتے تھے۔

عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں   میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

وہ کہتا ہے کہ ایک وقت آئے گا یہ جو خواب میں دیکھ رہا ہوں لوگ اس کو سمجھتے نہیں ہیں۔ میں شاخ کے اندر پتوں اور پھلوں کو دیکھ رہا ہوں، لوگ کہتے ہیں کہ اندھیرا ہی رہے گا۔ میں کہتا ہوں صبح طلوع ہو کے رہے گی۔

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ فضا دیکھ   مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی بات ہر ایک کی زبان پر ہو گی۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

وہ حوصلہ دینے والے شاعر و فلاسفر تھے ۔ لوگ کہتے ہیں شاعر لوگوں کو مایوس کرتے اور پیچھے دھکیلتے ہیں، شاعر مایوسی پھیلاتے ہیں، لیکن اقبالؒ اقبال مندی کی نوید تھے اقبالؒ کے نزدیک قوموں کے عروج کا راز جہاد میں ہے جبکہ ساز باجے اور رنگیلوں کا قیادت کے منصب پر براجمان ہونا زوال کی نشانی ہے۔

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے   شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

میں سمجھتا ہوں کہ جو طالبعلم اور جو جوان اقبالؒ کو پڑھتا ہے میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں وہ کبھی مایوس نہیں ہو گا۔ اگر آپ مایوسی سے نکلنا چاہتے ہیں تو اقبالؒ کو پڑھیں اور اگر قوم کو مایوسی سے نکالنا چاہتے ہیں تو اقبالؒ کو سمجھیں اور اس کے فلسفہ کو اس کے پاکستان میں روبہ عمل لائیں۔

شعبۂ تربیہ پرائم فاؤنڈیشن پاکستان
ملنے کا پتہ
پشاور میڈیکل کالج پرائم فاؤنڈیشن پشاور
publicinfo@prime.edu.pk
فون: 0333-9248930 / 0300-9345311
ویب سائٹ: www.prime.edu.pk

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیغام اقبالؒ

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ اما بعد.

لوگو، بندگی اختیار کرو، اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے، تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت سے ہو سکتی ہے۔ (سورۃ البقرہ 21)

محترم حضرات! انسان کی تخلیق کا مقصد بندگی رب ہے اور یہ بندگی انسان کی عظمت ہے۔ بندگی تو انسان کرتا ہی ہے، بندگی کے بغیر تو انسان نہیں رہ سکتا، یہ خدا کی بندگی نہیں کرتا تو شیطان کی بندگی کرے گا، اپنے نفس کی بندگی کرے گا، اپنے جیسی مخلوق کی بندگی کرے گا۔ لیکن اُسے بندگی چاہیئے رب کی اس لئے کہ وہ رب خالق، مالک اور حاکم ہے۔ اسی مفہوم کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں ہادی و راہنما بھیجے۔ پہلے تو انبیاءؑ کا سلسلہ تھا، انبیاءؑ کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے جب ختم فرمایا اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے امت کے لوگوں کو یہ ذمہ داری سپرد فرمائی۔

امت کے اندر ایسے لوگ پیدا ہوتے گئے جو باقی لوگوں سے ممتاز تھے باقی لوگوں سے جدا تھے، البیلے اور یکتا تھے، یگانہ روزگار تھے۔ یہی شخصیات لوگوں کو اصل دین سمجھاتے، کوئی ایک پہلو کو سمجھاتا رہا، کوئی دس پہلوؤں کو اور کوئی ساری پہلوؤں کو سمجھاتے رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے برصغیر کے لوگوں پر جو رحم فرمایا ہے اور یہاں جو عظیم شخصیات پیدا ہوئیں ہیں ان میں قریب چار سو سال پہلے شیخ احمد سرہندیؒ اور ان کے بعد شاہ ولی اللہؒ اور علامہ محمد اقبالؒ سے لے کر مولانا مودودیؒ تک یہ وہ شخصیات ہیں جو دوسرے علاقوں میں اس طرح تسلسل سے پیدا نہیں ہوئیں۔ لیکن ہمارے ہاں لوگوں نے ان سب کی ناقدری کی۔ میں اس وقت ان ساری تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا۔

09 نومبر کا دن گزر گیا جو علامہ محمد اقبالؒ کے پیدائش کا دن ہے کہاں 1877 کا زمانہ اور کہاں آج کا دور لیکن اقبالؒ کی فکر اور ان کی باتیں تازہ ہیں اور تازگی بخشنے والی ہیں۔ پچھلے سال تو اس دن چھٹی منائی گئی تھی وہ بھی کوئی عجیب سی بات تھی اور آج اگر چھٹی نہیں منائی گئی ہے تو تب بھی فکر اور انداز تو وہی ہے کہ نہ اقبال کی فکر سے کوئی آشنا ہوا اور نہ کسی نے کسی کو سمجھایا، نہ کسی نے اس طرف توجہ دلائی بس یہ دن آ بھی گیا اور گزر بھی گیا۔

اقبالؒ کون تھے؟

میں سمجھتا ہوں کہ اقبالؒ نے اپنے بارے میں وفات سے 10، 15 منٹ پہلے جو کچھ کہا تھا وہ اُن کی کافی پہچان ہے کہ **"سرور رفتہ باز آید کہ ناید"** وہ ایک الگ دور کی بات کر رہے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دور نبوت، اسلام کے غلبے کا دور، امن اور انسانیت کے عروج کا دور، وہ یقین رکھتے تھے کہ وہ دور آئے گا لیکن لوگوں کو سمجھانے کے لئے کہتے ہیں کہ میں تو سمجھتا تھا کہ میں اس کے ابتدائی نشانات دیکھ لوں گا، تو فرماتے ہیں کہ وہ دور آئے گا کہ نہیں آئے گا۔

"**نسیمے از حجاز آید کہ ناید**" پھر حجاز، مکہ اور مدینہ سے ایک باد نسیم، ایک لطف انگیز، ایک سحر انگیز ہوا، ایک خوشگوار ہوا آئے گی کہ نہیں آئے گی جو سارے ماحول کو معطر کردے۔ دوسرے شعر میں وہ کہتے ہیں:

سر آمد رُوزگار ایں فقیرے   دگر دانائے راز آید کہ ناید

میرا دور تو ختم ہو گیا میرے ذمہ جو کام تھا، جو میری ذمہ داری تھی وہ تو میں نے ادا کی۔ **دگر دانائے راز آید کہ ناید** میرے بعد پھر کوئی دانائے راز آئے گا کہ نہیں آئے گا۔ "**دانائے راز**" جو ان باتوں کو جانتا ہو جو حقیقت میں راز کی باتیں ہیں، سمجھ کی باتیں ہیں جو اگرچہ کہی تو ہر ایک سے جاتی ہیں لیکن اس کے سمجھنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں عام مجلسوں میں فرمائی ہیں تو صحابہ کرامؓ میں بھی فرق مراتب تھا کچھ لوگ زیادہ جاننے والے تھے، کچھ کم جاننے والے تھے، کچھ بہت زیادہ جاننے والے تھے، تو اقبالؒ اپنے آپ کو دانائے راز کہتے تھے اور وہ واقعی تھے دانائے راز، اس لئے تو فرماتے ہیں:

ز برون در گذشتم ز درون خانہ گفتم   سخنے نہ گفتنی را چہ قلندرانہ گفتم

کہتے ہیں میں ایسا اہل علم میں سے تو نہیں ہوں جس طرح مدارس میں شیوخ اور علامہ ہوتے ہیں، جامع العلوم اور فقیہ ہوتے ہیں، میں تو بس ایک طالبعلمانہ رائے رکھتا ہوں لیکن کہتے ہیں مجھے بہت کچھ حقائق کی سمجھ اللہ تعالیٰ نے دی ہوئی ہے۔

جو بات حق ہے وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی   خدا نے مجھ کو دیا ہے دل خبیر و بصیر

حق بات اللہ تعالیٰ نے مجھ سے چھپائی نہیں ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے جو دل دیا ہے وہ خبر دار اور دیکھنے والا ہے۔

ز برون در گذشتم

میں گویا اندر کا آدمی تو نہیں تھا میں تو باہر کا آدمی تھا اور دروازے کے باہر سے گزر گیا تھا۔

ز درون خانہ گفتم

لیکن جو اندر کی باتیں تھیں وہ میں نے کھل کر بتا دیں، میں نے راز کی باتیں بتا دیں۔

سخنے نہ گفتنی را چہ قلندرانہ گفتم

میں نے ایسی باتیں کہہ دیں کہ جو کسی نے نہیں کہی تھیں۔ تو اقبالؒ بہت عظیم شخصیت تھے وہ خود کہتے ہیں کہ

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے   کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

کہ میں خود بھی نہیں جانتا کہ میں کیا ہوں بلکہ خود اقبال کے جستجو میں ہوں۔

تو وہ فرماتے ہیں میرا پیغام لوگوں کے لئے کیا ہے اور آج اس پیغام کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ لوگ اس پیغام کو سمجھیں۔ وہ خدا سے دعا کرتے ہیں۔

جوانوں کو مری آہ سحر دے   پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے   مرا نور بصیرت عام کردے

وہ جو اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتا تھا اور کہتا تھا میں شب بیداری میں جو چیزیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہوں کہ مجھ سے یہ لذتیں نہ چھین یہ میرے لئے متاع ہیں۔

نہ چھین لذت آہِ سحر گہی مجھ سے   نہ کر نگہ سے تغافل کو التفات آمیز
حدیثِ بے خبراں ہے، تو با زمانہ بساز   زمانہ با تو نسازد، تو با زمانہ ستیز
متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی   مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

بندگی میں بندے کے لئے جو لذت ہے، جو فرحت و سرور ہے اس کے لئے جو کچھ بھی ہے اسی پر اکتفاء کردے، اسی کو مانگ لے، اسی کو جان لے اور اسی میں آگے جائے، اسی میدان کو سر کردے، یہ اس کے لئے بہت بڑی بات ہے۔ وہ توحید و رسالت کو اپنے پیغام کا مرکزی موضوع قرار دیتے ہیں۔

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے   اسلام تیرا دیس ہے اور تو مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے

وہ اسلام کو دیس کہتا ہے، ایک خاص وطن، ایک خاص زمانے اور ایک خاص جغرافیہ میں اپنے آپ کو محدود نہیں کرتا۔ اُس کی فکر کی جو تشکیل ہوئی وہ بھی رفتہ رفتہ ہوئی ایک زمانے میں اس نے کہا تھا کہ **"سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا"**

لیکن ایک وقت آتا ہے جب اس کی فکر پختگی پاتی ہے تو فرماتے ہیں:

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا   مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

یہ فکر کی تشکیل ہے ان کی فکر کی تشکیل کی بنیاد توحید پر ہوئی انہوں نے توحید کے سبق کو سمجھا۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے   آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے   ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اسی عقیدہ توحید کے بارے میں وہ مزید فرماتے ہیں کہ خودی توحید سے سمجھ آتی ہے توحید ہی خودی کا راز ہے۔

خودی کا سر نہاں، لا الہ الا اللہ   خودی ہے تیغِ فساں، لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے   صنم کدہ ہے جہاں، لا الہ الا اللہ
یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند   بہار ہو کہ خزاں، لا الہ الا اللہ

یہ جو طریقت و شریعت کی باتیں ہو رہی ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اقبالؒ کے کلام کا کافی بڑا حصّہ فارسی میں ہے انہوں نے ایک شعر کے اندر طریقت و شریعت اور جہاد اور تصوف کو سمویا ہے، یہ کسی اور کے بس کا کام نہیں ہے۔

وہ کہتے ہیں: **بانشئہ درویشی در ساز و دمادم زن   چون پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن**

فقیری اور درویشی کیا ہے تصوف میں جو بنیادی چیز ہے وہ کیا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان خدا ہی کا بن جائے، وہ مخلوق سے بالاتر ہو جائے، دنیا کی سورای نہ بنے، دنیا کو سواری بنائے، جس طرح جنید بغدادیؒ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

کان ظاھرہ مع الخلق و باطنہ مع الحق

بظاہر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے ساتھ تھے۔ لوگوں کی ضروریات بھی پوری کرتے تھے، ان کی ضروریات کا لحاظ بھی رکھا کرتے تھے، اسی دنیا میں اٹھنے بیٹھنے والے تھے لیکن **وباطنہ مع الحق** حقیقت میں ان کا اصل رابطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا تھا۔ **(باہمہ و بے ہمہ)** لوگوں کے مجلس میں ہوتے ہوئے بھی سب سے جدا بھی ہوتے تھے:

من مثال لالہ صحرا استم   درمیان محفل تنہا استم
من اندر مشرق و مغرب غریبم   کہ از یاران محرم بی نصیبم

کہتے ہیں مؤمن تو ایسا ہوتا ہے بظاہر وہ ایک جگہ ہوتا ہے لیکن حقیقت میں کسی دوسری جگہ۔ اس کے دل کی تاریں کسی اور جگہ پر لگی ہوتی ہیں، تو اقبالؒ بھی اسی طرح تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ **"بانشئہ درویشی در ساز و دمادم زن"** کہ یہ فقر اور درویشی تو ایک تربیتی مرحلہ ہے اس میں بالکل اعلیٰ مدارج طے کر اور دنیا وما فیہا سے بے نیاز ہو جاؤ لیکن یاد رکھو مخلوق سے بے نیاز ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ان کے حقوق ادا نہ کریں۔ بے نیاز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی منزل، آپ کا نصب العین صرف دینوی کامیابی نہ ہو بلکہ آپ حقیقی کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں ڈھونڈیں:

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے   جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اور کہتے ہیں کہ:

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا   یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

پھر دوسرے بند میں کہتے ہیں: **"چون پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن"** ایسا نہ ہو کہ آپ اپنے آپ کو پختہ تو کرلیں، آپ کا ایمان تو وہ مدارج طے کرلے لیکن جب آپ کا ایمان اس درجے تک پہنچ جائے کہ آپ مخلوق سے بے نیاز ہو جائیں، صرف اپنے رب کے ہو جائیں تو پھر آپ کی ساری زندگی گوشہ نشینی میں گزر جائے؟

نہیں بلکہ جب آپ پختہ ہوگئے ہیں **"چون پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن"** تو پھر اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا دشمن جو خدائی کا دعویدار ہو اس سے ٹکرا جا۔ پھر ایسے حالات پیدا کر کہ تو اس سے ٹکرا جاؤ۔

مفاہمت نہ سکھا جبر و ناروا سے مجھے   میں سر بکف ہوں لڑا دے کسی بلا سے مجھے

طالبعلموں کو بھی کہتا ہے:

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو   کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

ایک کتاب پڑھنے والا ہوتا ہے اور ایک کتاب کا ساتھی ہوتا ہے، دونوں میں فرق ہے۔ کتاب خواں صرف کتاب کا پڑھنے والا ہوتا ہے اور صاحب کتاب کتاب کا ساتھی ہوتا ہے، جہاں کتاب جاتی ہے یہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ کہنا چاہتے ہیں کہ تو صاحب قرآن بن، جہاں قرآن جاتا ہے تو اس کے پیچھے پیچھے چل، صرف اس کا پڑھنا کافی نہیں بلکہ اسے زندگی میں امام بناؤ اور اس کے احکامات اور ہدایات پر چلو۔ تو کتاب خواں ہے، کتاب تو پڑھتا ہے لیکن صاحب کتاب نہیں، صاحب کتاب بن جا۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

جب طوفان سے تمہارا مقابلہ نہ ہو، جب تو سمندر میں کود کے وہاں پر نہ دیکھے کہ تیرا حوصلہ کتنا ہے، موجوں کے ساتھ کیسے لڑنا ہے تو سمندر کو پار کیسے کروگے۔ صرف قصے کہانیاں سنتے سناتے ہو کونے میں بیٹھ کر اور کہتے ہو میں تو پہنچ گیا ہوں؟ ایسے نہیں پہنچا کرتے۔

وہ توحید کی بات کو سمجھاتے ہیں مادیت اور مادہ پرستی سے بالاتر کرتے اور قرآن کی بات کو سمجھاتے ہیں وہ کہتے ہیں میری فکر کی تشکیل قرآن نے کی ہے قرآن کو جانتے ہو قرآن کیسی کتاب ہے۔

تو نہ می دانی کہ آئین تو چیست؟   زیر گردون سر تمکین تو چیست؟

تجھے پتا ہے کہ تمہاری زندگی کا آئین اور نظام کیا ہے، اس آسماں کے نیچے تمہاری قوت کا راز کیا ہے، تمہیں حقیقی استقلال و آزادی کیسے حاصل ہوگی، اس دنیا میں تجھے قوت کیسے ملے گی، کامیابی کی قفل کی چابی کیا ہے: **آن کتاب زندہ قرآن حکیم   حکمت او لایزال است و قدیم**

وہ یہی (قرآن) زندہ کتاب اور زندوں کی کتاب ہے اس میں تیری ساری کامرانیوں کے راز چھپے ہوئے ہیں، یہ شاہ کلید ہے مسائل زندگی کا ہر تالا اس سے کھلتا جائے گا، اسے سمجھو تو سہی۔